بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار حضرت مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسریؒ

مجلہ اہلحدیث

کب ڈوبے گا یہ سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روز مکافات
(اقبال)

مدیر
حکیم اجمل خاں

۲۱ نومبر ۱۹۸۵ء
۷ ربیع الاول ۱۴۰۵ھ

حکیم ابن حزام کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مال مانگا تو آپ نے عنایت فرمایا۔
میں نے مزید مانگا تو آپ نے مزید عنایت فرمایا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا۔ حکیم! یہ مال سر سبز و شیریں ہے۔ جو شخص اس کو پاکیزگی نفس کے ساتھ لیتا ہے، اس میں اس کو برکت دی جاتی ہے۔ اور جو شخص اسے طمع کے ساتھ لیتا ہے، اس میں برکت نہیں دی جاتی۔ اور اس کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی ہے جو کھاتا چلا جاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔ اور (یاد رکھو) اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔

(بخاری)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالجبار شکراوی رحلت فرماگئے

مشہور اہل حدیث عالم، مفسر، محدث، خطیب، مبلغ، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبدالجبار صاحب شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ میوات (دارالعلوم شکراوہ) طویل علالت کے بعد اپنے آبائی گاؤں سوکھ پوری میں ۲۳ نومبر ۱۹۸۵ء کی شام پانچ بجے رحلت فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد دہلی تشریف لے گئے۔ جہاں انھوں نے دینی تعلیم کی تکمیل کی۔ درمیان میں دو سال تک وہ کنڈیلہ راجستھان میں بھی پڑھتے رہے۔ حضرت مولانا احمد اللہ صاحب اور حضرت مولانا عبدالوہاب صدری ملتانی جیسے مشہور علمائے کرام آپ کے اساتذہ میں تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد وہ مدرسہ حمیدیہ موری گیٹ دہلی میں مدرس ہوئے، پھر صحیفہ اہل حدیث کے مدیر مقرر ہوئے۔ اور کچھ عرصہ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے مبلغ کے طور پر کام کرتے رہے۔ ۱۹۲۶ء میں انھوں نے اپنے گاؤں میں اشاعت الکتاب والسنہ کے نام سے عربی دینی مدرسہ قائم کیا۔ جو کئی سال تک جاری رہا۔ ۱۹۳۴ء میں جب دارالعلوم شکراوہ قائم ہوگیا تو آپ نے مولانا حکیم عبدالشکور مرحوم کے مشورے پر گاؤں کا مدرسہ بند کردیا۔ اور آپ دارالعلوم شکراوہ کے صدر مدرس کے منصب پر فائز ہوئے۔ الحمد للہ تاحیات اسی منصب پر رہ کر قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے۔

مرحوم کی تمام تر توجہات، محنت، لگن اور مساعی دارالعلوم کی تعلیم وترقی کے لئے وقف تھیں۔ وہ جمعیت اہل حدیث علاقہ میوات کے تاحیات امیر رہے۔ تبلیغ دین میں بھی پوری دلچسپی رکھتے تھے۔

تقسیم وطن سے پہلے اور بعد میں بھی حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حافظ حمید اللہ مرحوم کی ایماء پر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے مالی استحکام کے لیے ملک بھر کا دورہ فرماتے رہے اور دعوتی وتبلیغی کام بھی کرتے۔ جب دارالعلوم شکراوہ کے مالی حالات اچھے نہیں رہے تو اس کے لئے بھی خود ہی پورے ملک کا دورہ فرماتے۔ اس سفر میں برابر دعوت وتبلیغ کا سلسلہ جاری رہتا۔ اہل جماعت انتظار میں رہتے کہ حضرت مولانا ان کے یہاں کب پہنچ کر خطاب عام اور درس قرآن وحدیث دیں گے۔

طلباء کو بڑی محنت اور لگن سے پڑھاتے۔ دارالعلوم میں وہ عام طور پر تفسیر وحدیث پڑھاتے تھے۔ مگر جب کوئی دوسرا استاذ نہ ہوتا تو صرف ونحو اور ادب بھی خود پڑھاتے۔ طلباء کو عمل کی ترغیب برابر دیتے۔ بفضلہ تعالیٰ برصغیر میں ان کے شاگردوں کی بڑی تعداد ہے جو نمایاں دینی خدمات انجام دے رہی ہے۔ وہ ایمان ویقین، عمل، سلفیت، سادگی، بے لوثی، ہمت، لگن، جفاکشی کا زبردست نمونہ تھے۔ بہت رقیق القلب تھے۔ جب بھی کسی اہم جماعتی بزرگ عالم، یا جماعتی واقعے وحادثے کا تذکرہ ہوتا تو رو دیتے۔

اپریل ۱۹۷۷ء میں ان پر فالج کا حملہ ہوا جس سے وہ کئی دنوں تک ہسپتال میں بے ہوش رہے مگر علاج سے افاقہ ہوتا چلا گیا۔ ساڑھے سات سال تک وہ نہایت اہتمام، پابندی اور پرہیز کے ساتھ ایک ہی ڈاکٹر کے زیر علاج رہے۔ اور الحمد للہ چلتے رہے۔ اس دوران میں بہت سے جماعتی پروگراموں میں بھی شرکت کی۔ کبھی کبھار احباب جماعت کی خواہش پر بھی سفر کیے۔ مگر نقاہت میں دن بدن اضافہ ہورہا تھا۔ اپنی رحلت سے ایک ہفتہ قبل ان کی آواز اچانک متاثر ہوئی۔ ان کے عزیزوں نے پھر ڈاکٹر کو لاکر دکھایا ڈاکٹر نے آپریشن کا مشورہ دیا۔ مگر آپریشن کی طاقت ان میں اب کہاں تھی۔ ناچار انھیں واپس گھر لے آئے۔ راقم الحروف کو دہلی میں ان کی علالت کی اطلاع ۱۹ نومبر کی شام کو ملی۔ چنانچہ ۲۰ نومبر کو گھر پہونچ کر اسی دن حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ نبض متوازن تھی۔ مگر کھانا پینا بند تھا۔ اجابت کئی دن سے نہیں ہوئی تھی۔ پیشاب بار بار آرہا تھا۔ بہت سوچ وچار کے بعد علاج شروع کیا مگر کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ وہ آخر وقت تک پوری طرح باہوش رہے۔ دو تین بار اپنے مرض کی کیفیت بھی ہاتھ سے لکھ کر دی۔ مگر مرضی مولا میں کسی کو چارہ نہیں۔ ۲۳ نومبر کو پانچ بجے وہ اس دنیا سے چلے گئے۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ

ان کی تدفین ان کی وصیت کے مطابق آبائی قبرستان میں ہوئی۔ ہزارہا سوگواروں نے تدفین میں شرکت کی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

(حکیم اجمل خاں)

دینِ حنیف کا علمبردار اور اسلامی ثقافت کا داعی

پندرہ روزہ

مُجلہ

اہلِ حدیث

مجلسِ ادارت

مولانا ثناء اللہ عمری

مولانا عبدالمتین میمن مولوی فاضل

ابن احمد نقوی ایم اے

مولانا عبدالنور راغب سلفی

مُدیر

حکیم محمد اجمل خان

۲۱ر نومبر ۱۹۸۵ء

اشتراکات،

سالانہ ـــــ ۲۰ روپے

ششماھی ـــــ ۱۰ روپے

فی کاپی ـــــ ۱۰۰ پیسے

سرپرست و معاونین سے ـــــ خصوصی

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

مجلہ اہلِ حدیث

شکراوہ۔ وایا پونہانہ۔ فرید آباد ۱۲۱۱۰۴

شاہ بانو کیس پر

سابق چیف جسٹس آف انڈیا کا تبصرہ

اور اسلام کا مُوقف

مسز شاہ بانو نے اپنے ایک بیان میں یہ کہا ہے کہ وہ اسلامی اقدار کے احترام اور مسلم پرسنل لا کی حیثیت کو برقرار رکھتے ہوئے سپریم کورٹ سے درخواست کرتی ہیں کہ وہ میرے حق میں دیے گئے فیصلے کو واپس لے لے۔ اس بیان پر جناب جسٹس چندرچوڑ نے تبصرہ فرماتے ہوئے کہا ہے۔ کہ

"ایک درخواست دہندہ کو سپریم کورٹ کے فیصلے پر نظرثانی کا حق نہیں ہے۔ اور کوئی شخص انفرادی طور پر اس فیصلے کو واپس لینے کی درخواست نہیں کر سکتا۔ شاہ بانو براہ راست یا بالواسطہ کسی بھی طریقے سے نظرثانی کی درخواست کریں، سپریم کورٹ اس درخواست کو مسترد کرنے کی پابند ہے ـــــ"

یہ تو جسٹس صاحب کی قانونی رائے ہے، مگر اس کے بعد فرماتے ہیں۔

"اگرچہ سپریم کورٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر نظرثانی کر سکتی ہے لیکن اس فیصلہ پر نظرثانی خاص طور سے غیرمناسب ہے۔ کیونکہ یہ فیصلہ سماجی اصلاح کی جانب ایک پیش قدمی ہے، اس فیصلہ پر جو سماجی ہلچل مچی ہے اس کی وجہ سے اس پر نظرثانی کی کوئی منطقی وجہ نہیں ہے اگر سماج کا ایک حصہ اس فیصلے کو پسند نہیں کرتا تو دوسرے حصہ کے بارے میں کیا کہا جائے گا۔" جسٹس صاحب نے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ عدالت کو قانون کی تشریح قرآن کی روشنی میں کرنی ہوتی ہے مگر ساتھ یہ بھی کہا کہ جب ایک فرقہ کے مفاد کا معاملہ ہو تو یہ کسی ایک شخص کا معاملہ نہیں رہ جاتا۔ انھوں نے بنیاد پرست اور قدامت پرست مسلمانوں پر تنقید کی کہ وہ مسلم پرسنل لا میں تبدیلی کے خواہاں نہیں، اور اس فیصلہ کو اپنا کارنامہ قرار دیا۔"

اپنے اس تبصرہ میں جسٹس صاحب نے جو کچھ قانون کے تعلق سے فرمایا ہے وہ بات تو ان کی صحیح ہو سکتی ہے اس لئے کہ وہ ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت کے سربراہ رہے ہیں۔ مگر اپنے فیصلے کی جو سراہنا انھوں نے فرمائی ہے اور سماج کے لئے اسے مفید قرار دیا ہے، وہ تبصرہ یا رائے کسی طرح بھی صحیح نہیں ـــــ مگر ہم جسٹس صاحب کے پورے ہی

تبصرے کا جائزہ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ پورے سماج کے فائدے کے لئے لینا چاہتے ہیں۔

جہاں تک ان کی قانونی رائے کا تعلق ہے محترمہ شاہ بانو صاحبہ کے بیان پر ان کی دی گئی رائے بھی ہمیں صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

کوئی بھی ، بی ، عدالت کے کسی بھی فیصلہ پر نظرثانی کی درخواست دے سکتا ہے۔ اور اگر اس کی درخواست وزن دار ہو، خاص طور پر قانون کی تعبیر اگر فیصلے میں غلط ہوئی ہو تو عدالت کو اسے نظرثانی کے لئے داخل کرنا ہوگا۔ اور فیصلہ پر نظرثانی کرنا ہوگی۔ خاص طور پر سپریم کورٹ کو اس لئے نظرثانی کرنا ہوگی کہ پھر اس کے اوپر کوئی دوسری عدالت نہیں ہے۔ جس میں اس کے فیصلے کے خلاف اپیل کی جاسکے۔ اس کے بعد لے دے کے پارلیمنٹ رہ جاتی ہے۔ جس سے قانون میں ترمیم کی درخواست کی جائے گی۔ شاہ بانو کیس کا فیصلہ اگرچہ سی آر پی سی کی دفعہ ۱۲۵ کے تحت ہوا ہے لیکن اس میں قرآنی آیات کی غلط تعبیر و تشریح کی گئی ہے۔ اور فیصلہ کی حمایت میں دو آیتیں لکھ دی ہیں۔ جبکہ چودہ سو (۱۴۰۰) سال کے عرصہ میں کسی بھی مترجم یا مفسر قرآن نے ان آیات سے نفقہ مطلقہ کا مفہوم نہیں لیا۔ پھر سپریم کورٹ کو اس کا کیا حق تھا کہ وہ غلط طور پر اپنے فیصلہ کے جواز میں انھیں پیش کرے۔

چونکہ سپریم کورٹ نے قرآنی آیات اور اسلامی قانون کی غلط تعبیر کی ہے۔ اور جسٹس صاحب نے خود اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ عدالت کو فیصلہ قرآن کریم کی روشنی میں کرنا ہے۔ اس لئے اس فیصلہ میں قطعی طور پر آئینی و اخلاقی دونوں پہلوؤں سے نظرثانی کا جواز بنتا ہے۔

اب رہ گئی جسٹس صاحب کی ذاتی رائے اپنے اس فیصلہ کی افادیت تسلیم کرانے کے بارے میں! سو اس بارے میں یہ گذارش ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو بنیاد پرست اور قدامت پرست ہونے کا طعنہ دیا ہے اور انھیں دعوت دی ہے کہ وہ اس فیصلہ پر حقیقت پسندانہ نقطہ نظر سے سوچیں۔ مگر ہم آپ کو اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ آپ اسلام کے اس قانون کو حقیقت اور فطری تقاضوں کی روشنی میں دیکھیں۔ آپ پر یہ حقیقت خود بخود منکشف ہو جائے گی کہ اسلام کا یہ قانون عین فطری تقاضوں کے مطابق ہے۔

آپ نے یہ فیصلہ عورتوں کی ہمدردی میں دیا ہے جبکہ محترمہ شاہ بانو صاحبہ کسی طرح بھی اس ہمدردی کی مستحق نہیں تھیں۔ کیونکہ محترمہ کے چار نوجوان بیٹے اعلیٰ سرکاری ملازمتوں پر فائز تھے۔ اور ان کے لئے نان نفقے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا۔ ان کا سارا تنازعہ خاندان کی آپسی ضد کی وجہ سے ہوا۔ محمد احمد صاحب کی بیگم تو سوکن سے پریشان تھیں۔ وہ اس کی ضد میں ہٹ دھرمی فرماتی رہیں جس سے ان کو طلاق ملی۔ اور صاحبزادے بھی باپ کے سخت مخالف بن گئے۔ اس لئے معاملہ آگے بڑھتا رہا۔ اور بالآخر آپ کے فیصلہ پر منتج ہوا۔

مگر معاملہ کو شاہ بانو صاحبہ کے کیس کے برخلاف عمومی حیثیت سے دیکھنا ہے کہ کیا کسی مطلقہ عورت کے لئے تاحیات یا تا نکاح ثانی نفقہ لازمی کرنا سماجی طور پر مناسب رہے گا ۔۔۔؟

ہم سمجھتے ہیں اسلام میں طلاق ابغض الحلال ہے۔ طلاق صرف ناگزیر حالات میں دی جاتی ہے اور قرآن مجید نے طلاق سے متعلق تنازعات و مسائل کے حل کے لئے پہلے ہی ہدایات منفرد کرنے کی تلقین کر دی ہے۔ تاکہ کسی بھی فریق کو ظالم و مظلوم ہونے کا موقع نہ مل سکے۔ اور مطلقہ کا واجب مہر و متاع بھی اسے مل جائے۔ اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ رہ گیا نادار مطلقہ کا مسئلہ تو اس کی کفالت مسلمانوں کے بیت المال سے ہوگی۔

طلاق کے بعد کسی مطلقہ عورت کو بیوی نہیں کہا جا سکتا۔ اس سے بیوی جیسے تعلقات بھی نہیں ہو سکتے۔ جب وہ بیوی نہیں رہی تو اس کا نان نفقہ کیسا! اور وہ سابق مرد پر کیونکر لازم ہوگا۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر مطلقہ عورت کا نفقہ تاحیات یا تا نکاح ثانی لازمی کر دیا جائے تو یہ امر ان کے لئے باعث توہین ہوگا کہ وہ مطلقہ ہونے کے بعد بھی سابق خاوند کے ٹکڑوں پر پل رہی ہے۔

اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہوگی، کہ ناپسندیدہ عورتیں گھریلو بندھن میں بندھے رہنے کے بجائے آزادی کی طرف لپکیں گی۔ اور وہ خواہ مخواہ ازدواجی زندگیوں میں محض اس لئے تلخیاں پیدا کرنا شروع کر دیں گی کہ طلاق ملنے پر انھیں نان و نفقہ لازمی تاحیات ملے گا۔ اس لئے وہ اپنے خاوند سے جلد آزاد ہونا پسند کریں گی تاکہ کورٹ کے ذریعہ مستقل نان نفقہ کی ڈگری حاصل کر کے آزادانہ زندگی گذار سکیں۔ اور کسی بھی بندھن یا مرد کی حاکمیت سے انھیں نجات حاصل ہو جائے۔ کیا اس صورت میں متعدد سماجی خرابیاں بے راہ روی، بے حیائی نہیں پھیلے گی۔ جب عورت کو روٹی، کپڑا اور مکان مفت ملے گا تو وہ دوسرا نکاح کیوں کرے گی۔ اور اپنی نفسانی خواہشات کو اپنے من پسندوں کے ذریعے پورا کرے گی۔ پہلے ہی حمل ساقط ہوتے ہیں یا حرامی بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے۔ اور حرام کاروں کی بھی خوب موج ٹھنے گی۔ ہلدی لگی نہ پھٹکری رنگ بھی اچھا آ گیا۔ عورت سے نہ تو نکاح کرنے کی ضرورت۔ نہ اسے نفقہ دینا پڑا۔ ویسے ہی مسئلہ ان کا حل ہو گیا۔ استغفراللہ۔ جسٹس صاحب غور فرمائیں، آپ کے اس طرح کے فیصلوں سے سوسائٹی کا کیا حال بنے گا۔ اسی لئے اسلام نے مطلقہ کا نفقہ تاحیات یا نکاح ثانی لازم نہیں کیا۔ اور صرف مہر و متاع کو واجب کیا ہے۔

جسٹس صاحب کی رائے کا جواب تو ہم نے دے دیا۔ مگر مسئلہ غور طلب خود مسلمانوں کے لئے ہے کہ وہ قرآن کریم کے فطری اصولوں اور قوانین کی مکمل پابندی کریں۔ تمام خرابیاں ادھورے ناقص اور رواجی دین پر عمل سے پیدا ہو رہی ہیں۔

اسلام نے مسلمانوں پر اجتماعی نظم کو لازم قرار دیا ہے مگر وہ اس پر عمل پیرا نہیں۔ ان کے ہاں امارت

نظم اور بیت المال نہیں۔ ان میں ہر جگہ انتشار ہے۔

۲۔ طلاق، خلع وغیرہ مسائل کے حل کے لئے قرآن کریم میں ثالث یا شرعی حکم کے لئے نص موجود ہے۔ مگر کوئی اس پر عمل نہیں کرتا۔ اور اپنے مسائل کے لئے خواہ مخواہ غیر شرعی عدالتوں میں جاکر اپنی اور اپنے دین کی توہین کراتے ہیں۔ اگر معاملات شرعی ثالث اور حکم کے ذریعہ فیصل ہوں تو وہ کیونکر بڑھ سکتے ہیں۔

اپنے دین پر خود پوری طرح عمل ہوگا، تبھی تو دوسرے اس کی اہمیت اور افادیت کو سمجھیں گے۔ خود مسلمان ہی جب غیر مسلموں کی روش اختیار کریں گے تو ظاہر ہے اپنے دین کا مذاق ہی اڑے گا۔

۳۔ طریقۂ طلاق (یعنی طلاق بدعت) کی تنفیذ روک دی جائے، وہ قطعی طور پر خلاف شرع، خلاف عقل اور مصلحت ہے۔ محض ضد کی وجہ سے کہ وہ حنفی فقہ میں تسلیم شدہ ہے، اس کی تنفیذ ضروری نہیں۔ حنفی علماء نے مفقود الخبر کے سلسلے میں حنفی مسلکے کو نظر انداز کر رکھا ہے، اسی طرح فسخ نکاح کا مسئلہ ہے یہ دونوں مسئلے شافعی اور مالکی فقہ سے لے رکھے ہیں۔ پھر اس مسئلہ کو سیدھا قرآن و حدیث سے کیوں نہیں لیا جا سکتا۔ اور اس پر بلاوجہ اڑنے اور ضد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ پاکستان اور دوسرے ممالک کے کروڑہا حنفیوں نے بھی اسے بدل کر قرآن و حدیث کے سامنے سر خم تسلیم کر لیا ہے۔ ہندوستان میں ہی کیا پریشانی ہے۔

اسلام کی افادیت، اس کا دین فطرت ہونا، اس کی تعلیمات کو سارے انسانوں کے لئے مفید ثابت کرنا، انھیں پھیلانا اور اس کی صحیح و سچی تصویر پیش کرنا خود مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ قرآن و حدیث یا ان کے مزعومہ فقہ از بعد خود منہ سے نہیں بولیں گے۔ نہ وہ کسی کے پاس چل کر جائیں گے کہ ہم بہت اچھی چیز ہیں، ہمیں مانو۔ اس لئے جب تک مسلمان صحیح معنوں میں اسلام کو قبول نہیں کرتے، انھیں سرکار، عدالتوں یا غیر مسلم مفکرین اور آزاد خیال و نام نہاد مسلمانوں سے چرکے سہنے پڑیں گے۔ اور وہ خواہ مخواہ سراپا احتجاج بنے رہیں گے۔

مسلم پرسنل لا کے بارے میں وزیر اعظم کا اظہار خیال

اس بات کے لئے تمام مسلمانوں کو جناب ضیاء الرحمن انصاری، مرکزی وزیر حکومت ہند اور صدر آل انڈیا مومن کانفرنس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے اپنے آل انڈیا اجلاس میں وزیر اعظم کو مسلم پرسنل لا کے بارے میں دو ٹوک اظہار خیال کا موقعہ فراہم کیا۔ وزیر اعظم نے جہاں ملک کے دوسرے مسائل کو حل کیا ہے وہاں مومن کانفرنس میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ کہا ہے کہ "حکومت کا یہ سخت عقیدہ ہے کہ کسی فرقے کے مذہبی امور میں مداخلت نہ کی جائے"۔

وزیر اعظم نے یہ بتایا کہ حکومت شاہ بانو کیس کے فیصلہ کے بعد مسلمانوں کے اس مطالبہ پر غور کر رہی ہے کہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۱۲۵ سے مسلمانوں کو مستثنیٰ کر دیا جائے۔ وزیر اعظم کا یہ اظہار خیال قطعی طور پر دو ٹوک ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کو آزاد خیال نام نہاد سیکولر لوگوں کے پروپیگنڈے اور شرارت پسندانہ بیانات سے متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ان کے جواب میں اسلامی قوانین کی صحیح اور اصلی تصویر پیش کریں تاکہ ان کی افادیت ہمہ گیر ہو سکے۔ اور ان ضابطوں کو موجودہ حالات اور دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ ثابت کیا جا سکے۔ ہم وزیر اعظم سے درخواست کریں گے کہ وہ مسلم اقلیت کے ذاتی مسائل کو نہایت سنجیدگی سے دیکھیں۔ اور ان کی نزاکتوں کو سمجھ کر ان کا حل تلاش کریں۔ معاملات کو لمبا کرنے، لٹکانے سے مسائل خواہ مخواہ بڑھتے رہیں۔ ساتھ ہی حکومت کے خلاف عوامی بے اعتمادی میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔ مسلم پرسنل لا اور

پٹنہ گولی کانڈ پر حکومت بہار کا ایکشن

تحفظ شریعت کے سلسلہ میں پٹنہ میں ہونے والے پُرامن مظاہرے پر مقامی ذمہ داران کی لاپرواہی اور نالائقی پر حکومت بہار نے جو ایکشن لیا ہے، اور ذمہ داران کو معطل کر دیا ہے وہ ایک اچھا قدم ہے۔ اگر ہر حکومت اپنی ذمہ داری کا احساس کر کے انتظامیہ کے نالائق، نااہل اور نکمے افسران کی تادیب کرتی رہے اور ان پر عدم فرض شناسی کے جرم میں مقدمات بنائی رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ امن و قانون کی حالت میں سدھار پیدا نہ ہو۔

ہندوستان جیسے ملک میں جنتا کے ہزاروں مسائل ہیں۔ ان سب سے نمٹنا آسان کام نہیں ہے تاہم ان سے مفر بھی نہیں۔ ان کاموں کے پورا کرنے کی ذمہ داری بہرحال خود ہی لینی پڑے گی اور تمام کام حکومت کو انجام دینے ہوں گے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تمام چیزوں کو حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، اور اسی حیثیت سے ان پر عمل کیا جائے۔ اگر ہر چیز کو میرٹ پر لیا گیا، اور اس کا بروقت علاج کیا گیا تو ملک میں کوئی بھی مرض نہیں بڑھ سکتا۔ اور ہر چیز کا علاج اس کے تقاضے کے مطابق ہو سکے گا۔ پھر ملک کے کسی شہری یا اقلیت کو شکایت نہیں ہو سکتی۔

عالمی قرآن اکیڈمی قائم کرنے کی تجویز

اسلام آباد۔ تیسری بین الاقوامی قرآن کانگریس کے اختتامی اجلاس میں مسلم امت پر زور دیا گیا ہے کہ قرآنی تعلیمات کی عالمی اکیڈمی قائم کی جائے۔ جو قرآن پر تحقیقی کام کرے اور دنیا بھر میں مسلم طلبا کو اسلامی علوم کی تعلیم دینے کے لئے نظام وضع کرے۔ قرآن اکیڈمی اسلام کے بارے میں لٹریچر بھی تیار کرے گی۔ اور اسلام کے ناقدین کے الزامات کے جواب بھی دے گی۔ اکیڈمی مختلف علاقوں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے مبلغین کی جماعتیں بھی تیار کرے گی۔ کانگریس نے تجویز کیا کہ اکیڈمی کے آئین کی تیاری کے لئے اسٹینڈنگ کمیٹی قائم کی جائے۔ اس کے قیام کے لئے تمام ضروری اقدامات کئے جائیں۔

الحاج منشی خطیب عبدالرحمٰن عمری آمبور (مدراس)

آٹھویں قسط

تبلیغی نصاب اور خانقاہیت

برصغیر کے مسلمانوں کی دینی پیاس بجھانے کے لئے محترم شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کی عالمگیر شہرت یافتہ کتاب "تبلیغی نصاب" گھر گھر موجود ہے۔ تعجب ہے اس کتاب کو بڑے بڑے علماء دین "صحیفۂ سماوی" سمجھ کر ہر قسم کی غلطیوں سے پاک اور عیبوں سے مبرا سمجھتے ہیں۔ مگر اس کی جو باتیں کتاب و سنت کے معیار پر پوری نہیں اترتی ہیں اور اسلام کے مزاج کے خلاف نظر آتی ہیں ان پر راقم السطور نے تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے سلسلہ وار مضامین لکھے ہیں۔ ان میں خانقاہیت کے خلاف بھی دو مضمون شائع ہو چکے ہیں۔ جن کی سرخیاں یہ تھیں:

"مسلمانوں میں خانقاہیت ایک مذہبی فریب ہے۔"

"خانقاہی ذکر و اذکار کتاب و سنت کی کسوٹی پر۔"

بعض احباب کی فرمائش پر مذکورہ عنوان سے بھی یہ چند سطریں سپرد قلم کی ہیں۔

محترم مؤلف نے تبلیغی نصاب کے جو حصے خانقاہی تصوف کے فروغ کے لئے لکھے ہیں۔ مگر فضائل ذکر، درود اور صدقات کے حصے باقی حصوں سے بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ جن میں مؤلف محترم نے خانقاہی تصوف کا بھرپور پروپیگنڈہ کیا ہے اور اسے عین اسلام باور کرانے کے لئے اپنی پوری صلاحیت صرف کی ہے۔ اور ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ "تبلیغی جماعت کا بھی دعویٰ ہے کہ وہ چلتی پھرتی خانقاہیت ہے" اس لئے یہاں مناسب ہے کہ تصوف اور تحریک خانقاہیت کے متعلق مختصراً جائزہ لیا جائے۔

یہ کتنی عجیب و غریب بات ہے کہ تصوف اور خانقاہ کے متعلق بہت سے خواص و محققین علماء بھی بڑے بڑے مغالطوں اور خوش فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ اور اس جادو نے صدیوں سے امت مسلمہ کی ذہنی و فکری صلاحیتوں کو مفلوج کر رکھا ہے اور برسوں سے اس زہر کو عقیدت کی بناء پر "تریاق" سمجھا جا رہا ہے۔ اور یہ کہا جا رہا ہے کہ

"عہد رسالت مآب سے تصوف موجود ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص خاص صحابہ کرام سے کچھ اسرار شریعت آشکار فرمائے تھے۔ وہی تصوف ہے جو بواسطہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت علی مرتضیٰؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہم تک سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اور اس تصوف کی ساری باتیں سرتاسر قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ ہیں۔ اور مقامات طریقت کا معیار بھی بجز کتاب و سنت کے اور کچھ نہیں ہے۔ آنحضورؐ کے زمانہ سے ہی خانقاہی رواج رہا ہے۔ اور خانقاہ موجود ہے۔ اصحاب صفہ نام کی صحابہ کی ایک جماعت مسجد نبوی کے چبوترے پر بڑی قناعت و افلاس کی زندگی گذارتی تھی۔ اور اللہ سے گہری محبت کے سبب دنیا سے بے تعلق ہو کر بڑی بڑی ریاضتیں کرتی تھی۔ وہی اولین صوفیاً کی جماعت ہے۔ اور مسجد نبوی کا وہ چبوترا پہلی خانقاہ ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ ہمارے صوفیاء کرام محض تصوف سے خوش فہمی کی بنا پر اصل حقیقت پر پردہ ڈالتے ہوئے بڑی آسانی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ آنحضورؐ نے بعض صحابہ سے اسرار شریعت آشکار فرمائے تھے۔ وہی تصوف ہے۔ مگر اس بات کا بالکل خیال نہیں کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ آنحضور کی ذات اقدس پر یہ کتنا بڑا بہتان ہے کہ آپؐ نے اپنے منصب نبوت کی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی فرمائی ہے۔ اسی طرح عہد رسالت میں خانقاہ کا وجود ثابت کرنا بھی ایک سعی لاحاصل ہے۔ جس دین کے ہم پیرو ہیں اس کی اساس و بنیاد قرآن و حدیث ہے۔ ان میں کہیں بھی تصوف اور صوفی کے الفاظ نہیں ہیں۔ اور ہمیں اس بات کی بھی کوئی شہادت نہیں ملتی ہے کہ عہد رسالتمآب اور صحابہ کرام میں تصوف یا اس کا نام و نشان تھا۔ اور اس کی کوئی شکل و صورت تھی۔ اور اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے کہ صحابہ کرام نے کمال دین اور درجہ احسان کے لئے اعمال شریعت کے علاوہ کسی خاص قسم کے ذکر و اذکار اور ریاضتیں کی ہوں۔ اور اصحاب صفہ کی نسبت یہ کہنا کہ وہ اولین صوفیاء، "تارک الدنیا و عزلت گزین فقراء ہیں۔ ان کی شان میں بہت بڑی توہین اور گستاخی ہے۔ وہ "تارک الدنیا درویش نہیں تھے۔ بلکہ مردانِ مجاہد اور عاشقانِ رسول تھے۔ ان کے افلاس کے سبب خود آنحضورؐ ان کی زندگی کے متکفل تھے۔ آپ نے انھیں اپنے حجرہ کے سامنے ایک چبوترہ پر ٹھہرایا تھا۔ اس چبوترے کو خانقاہ قرار دینا بے جا جسارت اور حقیقت سے انکار کے مرادف ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے بھی ذکر کے غلط مفہوم کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ آنحضورؐ کے زمانہ میں نہ تصوف تھا، نہ خانقاہ تھی اور نہ ذکر کی

مجلسیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"جب کوئی اللہ کا ذکر نہ کرتا ہو تو شیطان اس کے دل پر مسلط ہو جاتا ہے۔ اسی لئے صوفیاء کرام ذکر کی کثرت کراتے ہیں تاکہ قلب میں اس کے وساوس کی گنجائش نہ رہے۔ اور وہ اتنا قوی ہو جائے کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔ یہی راز ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے یہ قوتِ قلبیہ اعلیٰ درجہ پر حاصل تھی تو ان کو ضربیں لگانے کی ضرورت پیش نہ آتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جتنا بعد ہوتا گیا اتنی ہی قلب کے لئے اس مقوی قلب خمیرہ (ذکر) کی ضرورت بڑھتی گئی۔ اب قلوب اس درجہ ماؤف ہو چکے ہیں کہ بہت سے علاج سے بھی وہ درجہ قوت کا حاصل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن جتنا بھی ہو جاتا ہے، وہی بسا غنیمت ہے۔" (فضائل ذکر صـ۳۷)

مؤلف محترم شیخ الحدیث نے یہاں صاف صاف اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ حضور اقدس کے زمانہ میں نہ تصوف تھا نہ خانقاہ تھی۔ اور نہ ذکر کی مجلسیں تھیں۔ نہ صحابہ نے ورد اور ہو حق کیا اور نہ ضربیں لگائیں۔ اور نہ مراقبے کئے۔ تزکیۂ نفس کے لئے اعمال شرعی کے سوا کوئی اور عمل نہ کیا۔ سوال یہ ہے کہ جس کام کو خود حضور اقدس اور صحابۂ کرام نے نہ کیا ہو تو پھر کسی کو کیا حق پہونچتا ہے کہ اپنی طرف سے دین میں کوئی نئی بات داخل کرائے۔ اور دین باور کرائے؟ اسی کا نام ہی تو بدعت ہے۔ پھر کسی کو اس بدعت کا دیندارانہ رنگ میں دفاع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ آج دین میں جتنی بدعتیں داخل ہو گئی ہیں ان کے حامی اسی قسم کی باتیں کر کے اسے کار ثواب ثابت کرتے ہیں۔ اور انھیں دینی کام باور کرانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ قرآن حکیم سے یہ روشنی بھی ملتی ہے کہ آنحضور صلعم کے منصب رسالت کا اہم جزو تزکیہ نفس ہے۔ آپ نے صحابۂ کرام کا تزکیۂ نفس جس طریقہ سے فرمایا تھا وہ اسوۂ حسنہ رسول میں موجود ہے۔ کیا وہ اسوۂ رسول وقتی تھا یا قیامت تک کے لئے؟ اگر قیامت تک کے لئے تھا تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ آنحضور صلعم کے زمانہ سے دوری کے سبب اسوۂ حسنہ رسول سے ہمارے دلوں کی کمزوری دور نہ ہو سکے گی۔ اس کی تقویت کے لئے خانقاہیت کے مختلف اشغال و اذکار کے مروجہ طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ طریقے بمنزلہ مقوی قلب خمیرہ کے ہیں۔ خدارا یہ بتائیں کیا ان خانقاہی اذکار و اعمال کو بدعت کے سوا اور کوئی نام دیا جا سکتا ہے؟ اور کیا انھیں فرمانِ رسول "الدین یسر" کے خلاف تکلیف مالایطاق کے سوا اور کچھ کہا جا سکتا ہے؟

بدعت اور بدعتی دین کے حق میں کس قدر مضرت رساں ہیں، بتاتے ہوئے خود شیخ الحدیث نے نبی کریم صلعم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ "جو شخص کسی بدعتی کی تعظیم کرتا ہے تو وہ اسلام کو منہدم کرنے پر اعانت کرتا ہے۔"

(فضائل ذکر صـ۲۸)

آپ ہی فیصلہ فرمائیں کہ خانقاہیت کی بقاء و حمایت کرنے والوں کے متعلق ہم کیا رائے قائم کریں؟ کیا خانقاہیت سے اصل دین باقی رہے گا۔ اسلام کے اولین دور میں تصوف اور اس کے رسومات نہ تھے۔ تو پھر اس میں یہ کیونکر گھس آیا؟ اس سوال کا جواب تاریخ سے ہمیں یہ ملتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کی فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ ایک طرف مسلمان عرب سے نکل کر مختلف ملکوں میں پہنچے۔ اور وہاں کے ماحول سے متاثر ہوئے تو دوسری طرف نئی نئی قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں تو ان کے دلوں میں جو پرانی باتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ نئے رنگ میں ظاہر ہونے لگیں[1] رفتہ رفتہ اسلام میں نئے خیالات اور عجیب غریب نظریات داخل ہو گئے۔ اسی راہ سے مسلمانوں میں تصوف گھس آیا۔ اور اس کے رسومات و خانقاہی عبادات و ریاضات داخل ہو گئے!

تصوف کی حقیقت کیا ہے اور خانقاہیں کس غرض سے وجود میں آئیں، ان کا حال یہاں مختصراً تحریر ہے۔

قدیم زمانے سے یونان، ایران اور ہندوستان علم تصوف یا باطن میں بہت مشہور ہیں۔ چونکہ یہ علم عقل و بصیرت، حواس اور نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ یا نفس انسانی دنیوی علائق سے منزہ ہو جائے تو وہ باطن کی گہرائیوں میں پہنچ کر خدا سے پیوست ہو سکتا ہے۔ اس بلند مقام کے پانے کے لئے دنیا سے بے تعلق ہو کر بڑی بڑی جانکاہ مشقتیں اور جگر سوز ریاضتیں کرنی پڑتی ہیں۔ اسی غرض کے لئے خانقاہیں وجود میں آئیں۔ تاریخی انکشافات شاہد ہیں کہ ارض فلسطین و شام یہودیوں و عیسائیوں کی خانقاہوں سے اور سرزمین ہند و ایران مجوسیوں اور ہندوؤں کے آشرموں سے بھری پڑی تھیں۔ جہاں روحانی ترقی حاصل کرنے کے لئے مختلف الفاظ و کلمات اور فقرات، خاص انداز سے رٹائے جاتے تھے۔ عبادات و ریاضات کرائے جاتے تھے۔ تاکہ قوتِ ارادی مستحکم ہو کر روحانی ترقی حاصل ہو سکے۔

جب مسلمانوں میں تصوف کے رسومات آگئے تو ہمارے صوفیاء کرام کی خانقاہیں قائم ہو گئیں۔ وہاں جو کچھ ہوتا ہے وہی کچھ یہاں بھی ہوتا ہے۔ صرف طریق کار کا فرق ہے۔ ماحصل سب کا ایک ہی ہے۔ یوگ کی مشقیں ہوں یا ہمارے تصوف کے اذکار و ریاضات ہوں سب کی غرض و غایت، قوت ارادی بڑھانا ہی ہے۔

ہمارے صوفیاء کرام اپنی خانقاہوں میں جن اذکار و ریاضات کی مشقیں کراتے ہیں انھیں کتاب و سنت کی کسوٹی پر کسا جائے تو وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی ہیں۔ اس لئے از روئے قرآن و حدیث وہ ذاکرین میں شمار ہی نہیں ہو سکتے ہیں۔ مگر

[1] تصوف کی بڑی ذمہ داری ملوکیت پر ہے۔ کیونکہ بعض مسلمان خلافت و حکومت سے کنارہ کش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے۔

شیخ الحدیث تبلیغی نصاب میں قارئین کو یہ تصور دیتے ہیں کہ صحیح معنوں میں ذکر کرنے والے خانقاہی ذاکرین ہی ہیں، اور وہی لوگ جنت اور اس کی عمدہ ترین نعمتوں کے اصل مستحق ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

"قیامت کے دن اللہ جل شانہ بعض قوموں کا حشر فرمائیں گے۔ ان کے چہروں میں نور چمکتا ہوگا۔ وہ موتیوں کے منبروں پر ہوں گے۔ وہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی محبت میں مختلف جگہوں سے اور مختلف خاندانوں سے آکر ایک جگہ جمع ہوں گے۔ اور اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں گے۔"

اس کے بعد خانقاہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں ۔۔

آج خانقاہوں پر بیٹھنے والوں پر ہر طرح الزام ہے، ہر طرف سے فقرے کسے جاتے ہیں۔ آج انھیں جتنا دل چاہے برا بھلا کریں۔ کل جب آنکھ کھلے گی، اس وقت حقیقت معلوم ہوگی کہ بوریوں پر بیٹھنے والے کیا کچھ کما کر لے گئے جب وہ منبروں اور بالاخانوں پر ہوں گے اور یہ ہنسنے والے اور گالیاں دینے والے کیا کما کر لے گئے؟ سے

سوف ترى اذا انكشف الغبار
افرس تحت رجلك ام حمار

(عنقریب جب غبار ہٹ جائے گا تو معلوم ہوگا کہ تم گھوڑے پر سوار تھے یا گدھے پر)

ان خانقاہوں کی اللہ کے یہاں کیا قدر ہے جن پر آج چاروں طرف سے گالیاں پڑتی ہیں۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے جن میں ان کی فضیلتیں ذکر کی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ جس گھر میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو، وہ آسمان والوں کے لئے ایسا چمکتا ہے جیسے زمین والوں کے لئے ستارے چمکتے ہیں۔"

(فضائل ذکر ص ۳۴)

ذکر کے غلط مفہوم کی تائید کرتے ہوئے محترم شیخ الحدیث خانقاہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ حالانکہ کتاب وسنت سے خانقاہ کا کوئی وجود ثابت نہیں ہوتا ہے۔ ہم تو یہی دیکھتے آئے ہیں کہ یہ تمام خانقاہیں بندگان خدا کو اللہ کی طرف سے پھیر کر غیر اللہ کی طرف متوجہ کرنے کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ مریدوں کی توجہ اللہ کی ہدایات سے ہٹا کر سجادہ نشینوں کے احکام کے پابند بنانے کا ذریعہ ہیں۔ عوام کو دعوتِ اسلام واقامتِ دین کی جدوجہد سے دور رکھ کر چند خانقاہی اوراد و وظائف، ہو حق کے نعروں اور الا اللہ کی ضربوں کے ساتھ جنت کے مل جانے کا یقین دلایا جاتا ہے۔ اور کلمہ کا ورد کرتے کرتے پوری عمر گذار کر برکتیں حاصل کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔ اور ان کو دنیا سے نفرت دلا کر جوگیوں، سنیاسیوں اور راہبوں کی سی زندگی گزارنے پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ تاکہ اللہ کی اس سرزمین پر نالائقوں اور سرکشوں اور خدا کے باغیوں کو اپنا تسلط جمائے رہنے کا موقع فراہم ہوسکے۔ اور اللہ کا دین ایک ناقابلِ عمل دین بن کر رہ جائے۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے

(اقبال)

بقیہ: یہ شاہ خرچیاں

بھری رہتی ہیں۔ لباس انسان کی زینت ہے اور ہر انسان کی طبعی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اچھا لباس پہنے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایسا لباس پہننا شروع کردے جو پہننے والے کے دل میں کبر و نخوت اور فخر و نخوت پیدا کرے۔ اس سے معاشرے میں نہ صرف نفرت پیدا ہوتی ہے بلکہ حرص بھی پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے لوگ بڑھیا لباس دیکھ کر ایسے چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور جب استطاعت نہیں ہوتی، تو مقروض ہوگئے ہیں۔

مکانات کا معاملہ بھی شاہ خرچیوں کی شاندار مثالیں پیش کرتا ہے۔ سیمنٹ کا فرش کونسا کم مضبوط ہوتا ہے۔ مگر ماربل اور ٹائلیں جب تک نہ لگیں تو مٹی ہوجاتی ہے۔ رسول خدا کا مکان تو مسجد کے ساتھ ملحقہ حجرہ، جو ٹاٹ، چٹائی اور کھجور کے تکیہ سے آراستہ تھا یہاں قالین، صوفے، گاؤ تکیے، ڈنلپلو، ڈائننگ ٹیبل اور جہیز، خدا جانے کیا کیا لوازمات ہوتے ہیں۔ فریج، ٹی وی، آئرن الماریاں، ایئر کنڈیشنر واٹر ہیٹر اس پر مستزاد ہیں۔

بہتر ہے کہ اہل اسلام ان تمام غیر ضروری آرائشوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔ اور اپنی زندگیوں کو سادہ بنائیں۔ اپنی آمدنیوں کا بڑا حصہ دین و ملت جہاد فی سبیل اللہ اور رفاہی کاموں پر صرف کریں۔ تاکہ وہ دین و دنیا کی برکتوں سے مالا مال ہوسکیں۔

روپے کو پس انداز کرکے تعلیمی ادارے قائم کئے جائیں۔ ایسے کاروبار شروع کئے جائیں جن میں غریب مسلم نوجوانوں کو روزگار فراہم ہوسکیں۔ یتیم، نادار، مفلس اور بیواؤں کی امداد ہوسکے۔ اور مسلم معاشرہ کی ایسی خرابیاں اور کمزوریاں جو مالی کمزوریوں کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں، یکے بعد دیگرے ختم ہوجائیں۔

یہ شاہ خرچیاں!

شریعت اسلامیہ انسانی زندگی کے عام رہن سہن میں میانہ روی کی متقاضی ہے۔ جو لوگ بے جا اسراف، تعیش پسندی کے لئے مال کا ضیاع کھانے پینے میں بہت پرتکلف اغذیہ، پہننے کے لئے لباس فاخرہ اور رہنے کے لئے محلات تعمیر کرتے ہیں۔ وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے خلاف کرتے ہیں۔ جب وہ رسول کی تعلیمات و ہدایات کے خلاف کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوگا۔ اور وہ مغضوب و مقہور ہوں گے۔

فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں

آج کل فضول خرچی عام ہو گئی ہے۔ اور معاشرے میں چونکہ امیر لوگ بہت سے کام نمائش اور دکھاوے کے لئے کرتے ہیں۔ اس لئے غریب اور نادار لوگ بھی ان کی دیکھا دیکھی اپنی بساط سے باہر خرچ کر کے مقروض ہوتے رہتے ہیں۔

یہ فضول خرچیاں، شادی، دعوت اور تقریبات کے علاوہ آرائش، ٹیپ ٹاپ پوشاک عمارات اور اس کے فرنیچروں پر کی جاتی ہیں۔ میں جنوب کے ایک صاحب نے شادی کارڈ دیا جو فل سکیپ سائز پر تھا۔ جس پر تخمیناً لفافے سمیت آٹھ نو روپے خرچ کیا گیا ہوگا۔ اگر پانچ صد کارڈ طبع کرائے ہوں گے تو قریب چار ہزار روپے کارڈ پر ضائع کر دیئے۔ جو کھلی ہوئی فضول خرچی (اسراف و تبذیر) ہے۔ جبکہ یہ کام صرف دو سو روپے میں بھی آرام سے ہو سکتا تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلم معاشرے میں فضول خرچی کا کیا حال ہے۔ اور مسلمانوں کا پیسہ جو دین و ملت کے نیک کاموں پر خرچ ہونا چاہیے تھا کس طرح فضول چیزوں میں برباد کیا جا رہا ہے۔

رہن سہن اور گذران کے بارے میں اسلام کی تعلیمات کیا ہیں اس کا پورا عکس سلف صالحین کی زندگیوں میں ملتا ہے۔ وہ ہر چیز میں نہایت سادگی پسند ہوتے تھے۔ اور اپنے مال اور کمائی کا بیشتر حصہ دینی و ملی کاموں پر خرچ کرتے تھے۔

جب کھانا کھاتے تو نہایت سادہ۔ مرغن اور پرتکلف کھانوں سے پرہیز کرتے۔ مبادا شکم سیر اور بدہضمی کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے غریب بندوں کو نہ بھول جائیں۔ جیسا ملتا ویسا ہی کھاتے۔ جس وقت ملتا اسی وقت کھاتے، اور جتنا ملتا اتنا کھاتے۔ کوئی غریب آتا تو اس کو کھلا دیتے۔ تاریخ اسلام میں بندگان خدا کے سینکڑوں واقعات اسلامی کتب میں درج ہیں۔ مگر آج اس کے بالکل الٹ معاملہ ہے۔ کھانے کی تیاری بہت اہتمام سے کی جاتی ہے۔ پھر پرتکلف کھانے میزوں پر سجائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ایسی غذائیں اور مشروب استعمال کرتے ہیں جن سے اشتہا (بھوک) بڑھے۔ پھر جم کر کھایا جاتا ہے۔ اس کے بعد ڈکاریں لی جاتی ہیں۔ یعنی اس قدر اسراف کیا جاتا ہے کہ اس کھانے میں کئی خاندان پل جائیں۔ ایک زمانے میں اخبارات نے مرارجی بھائی (سابق وزیر اعظم) کی روزمرہ خوراک شائع کی تھی۔ اس کا اہم پہلو ایک تو پیشاب پینا تھا۔ جسے ان کے ذاتی تجربے نے ان کے لئے مفید ثابت کیا ہوا ہے (استغفر اللہ)

دوسرا پہلو اعلیٰ قسم کی مقررہ غذا جو انھیں وقت پر چاہیے جہاں سے ملے مہیا کر کے دی جاتی ہے جون کے مہینے میں گاجر کا جوس منقا ہوتا ہے مگر ان کے لئے ضرور لایا جاتا ہے۔ اسی طرح انھیں ایسی گائے کا دودھ ہر موسم میں دیا جاتا ہے جو مخصوص میوہ جات اور جائین سے بھرپور غذائیں کھاتی ہے۔

حساب لگانے کے بعد اندازہ ہوا کہ موصوف کی غذا سے ایک بڑا خاندان بآسانی پل سکتا ہے۔

اب یہ معاملہ صرف مرارجی بھائی کا نہیں رہا بہت سے بھائیوں، بلکہ اہل اسلام کا بھی بنا ہوا ہے۔ مرغ کی دکانوں پر لائن، گوشت کی دکانوں پر لائن، پھلوں کے ٹوکرے خالی، بیچنے والا منہ مانگے دام وصول کرے تو کوئی پرواہ نہیں "آنکھوں کے اندھے اور گانٹھ کے پورے" کی طرح خوب شاہ خرچی فرماتے ہیں۔

اس سے زیادہ سنگین معاملہ لباس کا ہے۔ ایک ایک عورت اور مرد کے پاس بیس بیس، پچیس پچیس جوڑے۔ درجنوں ساڑھیاں ہوتی ہیں جوتے ملاحظہ فرمایئے تو بعض گھروں میں دوکان سی لگی رہتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں نے باٹا کی ایجنسی لے رکھی ہے۔ ایک ایک صاحب اور میم صاحب کے پاس آدھا آدھا درجن جوتے، اللہ کی پناہ! بسا اوقات نئی جوڑوں کا برسوں تک نمبر نہیں آتا۔ سال دو سال گزرنے کے بعد اس لباس کا فیشن آف ہو گیا تو اب اسے کون پہنے۔ اب تو نیا ہی آئے گا۔

میک اپ کے سامان سے الماریاں (باقی ص پر)

مولانا مفتی ابوالسلام محمد صدیق صاحب

فتاویٰ

مرض الموت میں جائداد وقف کرنے کا حکم

کیا مرد کیلئے سونے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے؟

سوال:
ایک شخص اپنے مکان اور پلاٹ کو مرض موت میں وقف کرتا ہے۔ کیا اس کا تمام جائداد کو مرض موت میں وقف کرنا شرعاً جائز ہے؟

(ایک سائل)

جواب: مرض موت میں وقف کرنا شرعاً جائز ہے۔ لیکن مرض الموت میں ایک تہائی (ثلث) جائداد سے زیادہ وقف نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مرض الموت کے بعد مال کا تعلق وارثوں سے ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں وہ جو جائداد وقف کرے گا، اس کی حیثیت وصیت کی ہوگی اور وصیت تہائی مال سے زیادہ کی نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر ورثاء کو کوئی اعتراض نہ ہو تو پھر زیادہ کا جواز ہے۔ چنانچہ مغنی ابن قدامہ میں ہے

ومن وقف فی مرض الموت بمنزلة الوصیة فی اعتبارہ من ثلث المال لانه تبرع فاعتبر فی مرض الموت من الثلث کالعتق والھبة واذا خرج من الثلث جاز من غیر رضا الورثة ولزم وما زاد علی الثلث لزم الوقف منه فی قدر الثلث ووقف الزائد علی اجازة الورثة لا نعلم فی ھذا خلافا فی ما نعلم۔

(المغنی مع الشرح الکبیر ج ۶ ص ۲۱۹ - ۲۲۰)

جس شخص نے مرض الموت میں جائداد وقف کی ہے وہ وصیت کے مرتبے میں ہے۔ تہائی مال تک اس کا اعتبار ہوگا۔ اس لئے کہ تطوع ہے۔ عتق اور ہبہ کی طرح تہائی تک اس کا اعتبار ہوگا۔ اس میں ورثاء کی رضامندی کی ضرورت نہیں۔ اگر جائداد تہائی مال سے زائد ہے تو ورثاء کی رضامندی سے اس پر بھی وقف کا اطلاق ہو سکتا ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

سوال میں جس وقف کا ذکر ہے اس پر ورثاء رضامند نہیں ہیں۔ لہٰذا کل جائداد کی تہائی میں وقف کا اعتبار ہوگا۔ دو تہائی جائداد ورثاء کو لوٹا دی جائے گی۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

مرد کیلئے سونے کی انگوٹھی ممنوع ہے

(مفتی اعظم اومان)

اومان کے مفتی اعظم شیخ احمد بن محمد الخلیلی نے کہا ہے کہ مسلمان مردوں کے لئے سونے کے زیورات پہننا قطعی ممنوع ہے۔ انھوں نے کہا کہ شادی کی تقریب کے دوران دولہا اور دلہن کا ایک دوسرے کو انگوٹھیاں دینا بھی غیر اسلامی فعل ہے۔ انھوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان مردوں کو سونے کے زیورات پہننے سے منع کیا ہے۔ اور یہ اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔ یہ مسلمانوں کا فرض اور ان کی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اس حکم پر عمل کریں۔

مفتی اعظم نے کہا کہ مسلمانوں کو اس طرح زندگی بسر کرنی چاہئے جس کا حکم پیغمبر اسلام نے دیا ہے

انھوں نے بتایا کہ شادی کی انگوٹھیوں کے تبادلے کا سلسلہ زمانۂ تاریک میں رومنوں نے شروع کیا۔ جن کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح خاوند اور بیوی میں پیار بڑھتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ شروع میں یہ انگوٹھیاں لوہے کی ہوتی تھیں۔ جن کی جگہ بعد ازاں سونے نے لی۔

پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر حکیم اجمل خاں۔ مطبوعہ اعلیٰ پریس بلیماران دہلی۔ مقام اشاعت۔ شکراوہ (براہ پونا ہانہ) فرید آباد ۱۲۱۱۰۲ (ہریانہ) ملکیت۔ مجلہ اہل حدیث ٹرسٹ

R.N. No. 30852/78 Regd. No. NW/FBD/2

MAJALLA AHLE HADEES

SHAKRAWA VIA PUNHANA FARIDABAD-121104